R. No. 2186/57

REGD. No. 422

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۸ - شمارہ ۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ فروری ۱۹۶۹ء

اداریہ

غالب صدی کی تقریبات

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ غالب صدی بڑے شاندار پیمانے پر ہندوستان، پاکستان اور دوسرے ممالک میں منائی جا رہی ہے دہلی میں مرکزی غالب کمیٹی کا پروگرام ۱۶ فروری سے شروع ہوگا اور صدر جمہوریہ اس کا افتتاح فرمائیں گے۔ اس موقع پر غالب پر ایک ڈاکومنٹری فلم بھی ریلیز ہوگی سہ پہر میں غالب کی یادگار میں ٹکٹ کا اجرا ہوگا۔ ۱۷ فروری سے غالب پر سمینار ہوگا جس میں دوسرے ملکوں سے بعض عالم بھی شرکت کریں گے۔ اس سلسلے میں غالب اور عہد غالب کے آثار کی نمائش بھی ہوگی۔ دہلی کے کئی ڈراما گروپ اس موقع کے لیے غالب پر ڈرامے پیش کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں ایک کیمپلن اور مشاعرہ بھی ہوگا۔ ۲۱ فروری کو غالب اکیڈمی کی عمارت کا افتتاح صدر جمہوریہ کریں گے جو حکیم عبد الحمید کی دلی ہمتی اور جوش اور جذبے کی جیتی جاگتی یادگار ہے اور جو چند ماہ کے عرصے میں مکمل ہوئی ہے۔ غالب کی تصانیف کے نئے ایڈیشن اور غالب پر کتابیں بھی متعدد ادارے تیار کر رہے ہیں جو جلد سامنے آئیں گی۔ جامعہ ملیہ کے ایک فن کار نے غالب کا ایک بہت بڑا مجسمہ تیار کیا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے بھی ایک شاندار پروگرام بنایا ہے جس کے مطابق مارچ کے وسط میں ایک سمینار، ایک نمائش اور ایک مشاعرہ ہوگا اور علی گڑھ میگزین اور فکر و نظر کا غالب نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ غالب پر کئی کتابیں بھی جلد ہی پیش کی جائیں گی۔ انجمن ترقی اردو ہند نسخۂ عرشی کا نیا ایڈیشن، فارسی خطوط غالب کا اردو ترجمہ اور غالب کے غیر متداول کلام کی شرح شائع کر رہی ہے۔ دوسرے اداروں نے بھی اپنا پروگرام بنایا ہے اور امید ہے کہ ۱۹۶۹ء میں غالب کے متعلق بہت سا نیا مواد سامنے آئے گا اور غالب کی عظمت سے ہندوستان کی دوسری زبانوں کے بولنے والے اور بیرونی ممالک کے ارباب نظر بھی اور واقف ہوں گے۔ ہندوستان میں اردو کے کئی رسالے غالب نمبر بھی شائع کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی بہت کچھ کام ہو رہا ہے اور اگرچہ اس کی ساری تفصیلات سامنے نہیں، مگر یقین ہے کہ یہ غالب کے شایان شان ہوگا۔

کاش اس موقع پر چند باتوں کا لحاظ رکھا جاتا تو بہتر ہوتا اول تو مرکزی کمیٹی ہندوستان کے سارے کاموں کو مربوط کرتی اور ساری تقریبات کو اس طرح ترتیب دیتی کہ سارے پروگرام ایک مہینے میں یا دو مہینے میں ختم ہونے کے بجائے سال بھر تک ہوتے اور سب کی اطلاع مرکزی کمیٹی کی طرف سے دی جاتی، دوسرے ادبی اداروں سے تعاون حاصل کرنے کی سعی کی جاتی اور صرف دارالسلطنت کی فضا میں چکا چوند کرنے کے بجائے پورے ہندوستان کو جگمگانے کی منظم اور مشترک کوشش ہوتی۔ دوسرے غالب کی مادری زبان یعنی اردو کے تحفظ و بقا کی طرف قرار واقعی دھیان دیا جاتا۔ غالب کی شاعری اور ان کی نثر جس زبان و ادب کا قابل فخر اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے، اس کی ترقی کی راہ میں ابھی بہت سی رکاوٹیں ہیں اور یہ رکاوٹیں اردو دوستوں کی سستی اور بے عملی کی وجہ سے نہیں، بلکہ مرکزی حکومت اور اکثریت کی بے توجہی اور بعض ریاستی حکومتوں کی بے نیازی اور کج روی کی وجہ سے ہیں، اس موقع پر اس زبان و ادب کے راستے سے کانٹے دور کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے اور ہمیں توقع ہے کہ مرکزی غالب کمیٹی کے عہدہ دار جن میں ملک کی بڑی بڑی ذمہ دار ہستیاں شامل ہیں، اس پہلو کو

نظر انداز نہ کریں گے۔ غالب کی عظمت کا سب سے اچھا اعتراف یہ ہوگا کہ نئے غالب پیدا کرنے کے لئے فضا ہموار کی جائے اور ہندوستان کے سب شہریوں کو یہ احساس ہو کہ غالب اردو کے والے غالبوں پر بھی کو فخر کرنا چاہئے اور انھیں اپنانا چاہئے۔

داخل خارج کے نوٹس اردو میں بھی شایع ہوں گے

لکھنؤ:۔ اتر پردیش حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ریونیو کورٹ منیول کے داخل خارج کے تمام نوٹس ان علاقوں میں ہندی کے ساتھ اردو میں لازمی طور پر شائع کئے جائیں گے جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد آبادی میں پندرہ فیصد یا اس سے زیادہ ہو۔ لسانی اقلیتوں کی جائز شکایتوں کو دور کرنے نیز ان کو دئے جانے والے مختلف تحفظات پر مناسب طور سے عمل درآمد کا بندوبست کرنے کی غرض سے ایک چھ رکنی جلیس کمیٹی گورنر کی سربراہی میں پہلے ہی بنائی جا چکی ہے ریاست کے اردو بولنے والے لوگوں کی تمام جائز شکایتیں دور کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ (سیاست)

یوم جمہوریہ کے موقع پر اردو ادیبوں کو اعزاز

نئی دہلی:۔ حسب دستور امسال بھی یوم جمہوریہ کے موقع پر ہندو بیرون ہند کی ممتاز شخصیتوں کو اعزاز دئے گئے ہیں اردو کے جن ادیبوں کو پدم بھوشن کا اعزاز ملا ہے ان میں ممتاز افسانہ نگار کرشن چندر، ممتاز ماہر تعلیم اور عالم پروفیسر ہارون خاں شروانی اور حضرت ساغر نظامی شامل ہیں پدم شری کا اعزاز جناب برہم ناتھ دت قاصر اور خواجہ احمد عباس کو ملا ہے اس کے علاوہ پدم شری کا اعزاز پانے والوں میں پنجاب شاعرہ امرتا پریتم بھی شامل ہیں۔

دلی میں سڑکوں کے نام ہندی یا اردو میں ہوں گے

دلی:۔ آئندہ سے دلی میونسپل کارپوریشن کی حدود میں سڑکوں کے نام صرف ہندی یا اردو میں ہوں گے۔ یہ اعلان ڈپٹی میئر جناب بل راج کھنّا نے کیا ہے جو ہندی ترویج کمیٹی کے صدر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اب تک سڑکوں کے نام انگریزی، اردو، ہندی تینوں زبانوں میں ہوا کرتے تھے مگر اب انگریزی میں نام درج نہیں ہوں گے بلکہ صرف ہندی اور اردو میں ہوا کریں گے۔

(قومی آواز)

اردو اور الیکشن

لکھنؤ:۔ یوپی میں وسط مدتی انتخابات میں حصہ لینے والی سیاسی پارٹیوں میں سے کسی نے بھی انگریزی کو الیکشن پروپیگنڈے کے لئے استعمال نہیں کیا ہے۔ الیکشن کا جتنا لٹریچر، ہینڈ بل، پوسٹر اور پمفلٹ شائع ہوئے ہیں یا مینی فیسٹو ہیں وہ سب کا سب یا ہندی میں ہے یا اردو میں۔ (الجمعیۃ)

مرزا غالب کی یاد میں ٹکٹ

نئی دہلی:۔ اردو کے ممتاز شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی یاد میں ایک ڈاک کا ٹکٹ جناب مرارجی ڈیسائی ۱۷ر فروری کو جاری کریں گے مرزا غالب ۲۷ر دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوئے تھے اور ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی یاد میں ٹکٹ ۱۷ر فروری کو جاری کیا جائے گا۔ (قومی آواز)

روسی ادیب غالب اکیڈمی کا رکن

دہلی:۔ روسی ناول نویس میخائل شولوخوف نے جن کو اس سال نوبل پرائز دینے کا بھی اعلان کیا گیا ہے دلی کی غالب اکیڈمی کا رکن بننا بخوشی منظور کر لیا ہے انھیں ان کے ناول "ڈان خاموشی سے بہتا رہا" پر انعام دیا گیا ہے۔ (الجمعیۃ)

ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کا انتقال

بھوپال:۔ یہ خبر بنہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے ادیب ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کا حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ۳۰ر جنوری کی صبح انتقال ہو گیا۔

مرحوم ایک عرصہ تک حمیدیہ کالج میں شعبۂ اردو کے سربراہ رہ چکے تھے اور سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آدرش کالج کے پرنسپل ہو گئے تھے۔ (افکار)

وحید جودھپوری کا انتقال

جودھپور:۔ یہ خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ بروز جمعرات مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۶۹ء جودھپور میں وحید اللہ خاں صاحب وحید کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ مرحوم نہ صرف خوش طبع بلکہ مجمع الخیات اور مرجع اوصاف شخصیت کے ساتھ ساتھ پرگو شاعر، بیدار دل ادیب اور لاثانی خطیب بھی تھے۔ مرحوم انجمن ترقی اردو راجستھان کے نائب صدر بھی تھے۔

(قوم انتظر دلگا رحمانی کوٹوی اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو جودھپور)

ابن جبین

"پی. ای. این کانفرنس"

دسمبر ۲۸ر ۲۹ر ۳۰ر ۳۱ر ۱۹۶۸ء کو پی. ای. این کانفرنس گجرات یونیورسٹی کے زیر اہتمام احمد آباد میں منعقد ہوئی۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں کے فنکاروں کا یہ اجتماع دیکھ کر ڈالیری کے ڈرامے "میرا فاؤسٹ" میں میفسٹوفیلس کا یہ جملہ یاد آجاتا ہے کہ "غیر فانی شہرتیں۔ غیر فانی شہرتیں تو میرے سامنے ساحل دریا پر پھیلے ہوئے ذرات ریگ کی مانند بکھری ہوئی ہیں"۔ شاید کانفرنس کے ہندوبین میں اتنی ساری غیر فانی شخصیتیں نہ بھی ہوں اور اگر ہوں بھی تو انہیں کون جانتا تھا۔ فنکار کے لئے یہ کچھ کم روح فرسا بات نہیں کہ کوئی شخص جا کر اس سے پوچھے کہ آپ کی تعریف اور وہ جتائے کہ تیلگو یا تامل یا گجراتی زبان میں جس کے نام کے چرچے ہیں وہ میں ہی ہوں۔ "پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے" میں جو طنز کا پہلو چھپا پڑا ہے وہ اس کانفرنس میں جگہ جگہ بار بار ہوتا تھا۔ ایک دوسری عبرت جو اس کانفرنس کو دیکھ کر حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ تخلیقات کی عدم موجودگی میں فنکار کی شخصیت کھانے کے اوقات اور بس کا نمبر پوچھنے والے ایک عام آدمی کی شخصیت رہ جاتی ہے۔ چاہے فنکار کی شخصیت اس کی تخلیق کو جلا بخشے یا نہ بخشے لیکن فنکار کی شخصیت میں کشش تو اس کی تخلیق سے ہی پیدا ہوتی ہے یہ گویا خطرے کی گھنٹی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی تخلیقات کو سنوارنے کی بجائے اپنی شخصیت کی مشاطگی کیا کرتے ہیں۔ ادب کو فنکار کی شخصیت کا اظہار سمجھنے کے تصور سے ایلیٹ کو کیوں چڑ تھی اس کا احساس ان عظیم شخصیتوں کو ایک جا جمع دیکھ کر ہوتا تھا۔ تخلیق فن بھیڑ بھاڑ کا نہیں عالم تنہائی کا مشغلہ ہے۔ سعادت حسن منٹو نے یہ بات غالباً اس وقت کہی تھی جب انہیں ایک ترقی پسند کانفرنس کے لئے دعوت دیئے بھیجی گیا تھا۔ لیکن بات منٹو نے بعینہٖ انہی الفاظ میں نہیں کہی۔ اس نے جو الفاظ استعمال کئے تھے انہیں ضبط قلم کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں بس یہ سمجھئے کہ "رب کا نام اللہ کا" والی زبان میں بہترین تنقیدی خیالات کا اظہار کیا تھا۔

کانفرنس کا افتتاح تمام کانفرنسوں کی طرح رسمی تھا اور اہل قلم حضرات اہل اقتدار لوگوں کی تقریروں کو معتد بہ صبر و تحمل سے سنتے رہے۔ جلسہ کے بعد ایک نوجوان گجراتی شاعر نے رموز مملکت خویش خسرواں دانند والے خسروان میں سے ایک کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بڑے بڑے سائنس دانوں سے ملاقات کا ذکر وہ موصوف کی زبانی اکثر بار سن چکے ہیں۔ جس پر ایک اور نوجوان گجراتی شاعر نے تبصرہ دیا کہ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ مقرر کی صرف آٹھ تقریریں سنی ہیں۔ ان تقریروں میں فنکاروں کے لئے جو راہ عمل تجویز کی گئی تھی اگر اس پر خشوع و خضوع سے عمل پیرا ہوا جائے تو مستقبل میں پدم بھوشن بننے کے امکانات کافی حوصلہ افزا نظر آنے لگتے ہیں۔

کانفرنس کے کافی جلسے ہوئے جس میں مقالے پڑھے گئے اور ان پر خیال آرائی ہوئی۔ ایک جلسہ میں ترجمے کے مسائل پر غور کیا گیا۔ بھارت کی مختلف زبانوں کے ادب کو دوسرے علاقوں سے روشناس کرانے پر زور دیا گیا۔ ترجمہ کی دشواریوں کی ایسی لرزہ خیز تصویریں پیش کی گئیں کہ طبعزاد لکھنے والوں کو پسینہ آجائے۔ لیکن کسی کی سمجھ میں یہ معمولی سی بات نہیں آرہی تھی کہ اس

سعادت نظیر

غزل

(نذر غالب)

جو مرکز حیات تھا، وہ دل نہیں رہا
یا ربط حسن و عشق کا حاصل نہیں رہا
جو دردِ کائنات کے قابل نہیں رہا
میرا تو یہ خیال ہے وہ دل نہیں رہا
پائے بُرآبلہ نے گلستاں بنا دیا
بے رنگ کوئی جادۂ منزل نہیں رہا
ہمت نے زندگی کے تقاضے بدل دیئے
مشکل کوئی بھی عقدۂ مشکل نہیں رہا
افسانۂ الم کا اڑاتے ہیں سب مذاق
کیا آشنائے درد کوئی دل نہیں رہا؟
پایا ہے کیف زیست تلاطم میں وہ کہ اب
کوئی خیال عشرتِ ساحل نہیں رہا
وہ شمع بجھ گئی جو پیام حیات تھی
اب کوئی لطف شرکت محفل نہیں رہا
ہستی حجاب بن گئی، اف رے ترے حجاب!
جب اور کوئی پردہ حائل نہیں رہا
ذوق سفر نے خود نئے جادے بنا لئے
کیا غم، جو کوئی جادۂ منزل نہیں رہا
جن کی نگاہِ لطف مرے آشیاں پہ ہے
ان بجلیوں سے میں کبھی غافل نہیں رہا
دار و رسن کے کھیل میں گزری ہے اے نظیر
جز حق مری نگاہ میں باطل نہیں رہا

ادبی فنکار کو قابل احترام اور کارآمد کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جب کہ آج کل تخلیقی فنکاروں کو ناشر نہیں ملتا تو ترجمے کے پیچھے کون وقت غارت کرے گا۔ ہم لان میں کھڑے ہوئے سگرٹ پی رہے تھے تو میرے ایک کرم فرمانے کہا کہ کتابیں تو کافی چھپتی ہیں۔ شب خون میں ہر ماہ دو چار کتابوں پر تبصرے ضرور ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ان کتابوں میں سے اکثر کا ملنے کا پتہ مصنفوں کے گھر کا پتہ ہوتا ہے۔ بصورت حال یہ ہے کہ ذہن سے کتاب تخلیق کرو، جیب سے پیسہ نکالو اور دوستوں کی مدد سے اسے چھپا ڈالو۔ رہی حکومت کی سرپرستی تو ڈاکٹر جانسن کا وہ مشہور جملہ یاد آتا ہے کہ جناب سرپرست تو وہی آدمی ہوتا ہے جو بڑی بے نیازی سے ڈوبتے ہوئے آدمی کو پانی میں ہاتھ پیر مارتے ہوئے دیکھا کرتا ہے لیکن جب وہ کنارے پر لگ جاتا ہے تو آگے آکر مدد کے لیے ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔

کانفرنس کے سب سے دلچسپ سیشن ادب میں جدیدیت اور آزادی کے بعد کے ادبی رجحانات والے سیشن تھے۔ مقالوں اور مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدیدیت کی رو تمام ہی زبانوں کو اپنی زد میں لیے ہوئے ہے۔ بنگالی، تامل، اڑیا، گجراتی، تمام ہی زبانوں کے مقالہ نگار اس رجحان سے خوش نہیں تھے اور نئے شاعروں اور فنکاروں کی بے مقصدیت، قنوطیت، کلبیت، ان کے اہمال اور ابہام، ان کی جنس زدگی اور فحاشی، ان کی پراسرار نفسیات اور بے روح روحانیت غرض کہ نئے لکھنے والوں کی ہر چیز سے یہ لوگ نالاں تھے لیکن ان کی تمام داد فریاد کی تان اس بے پناہ رجائیت پر ٹوٹتی تھی کہ نوجوانی کا یہ جوش و خروش ختم ہوگا تو روایت اور تجربہ میں ایک خوبصورت آہنگ پیدا ہوگا اور پھر زمانہ وغیرہ سے ساز گار عظیم وغیرہ قسم کا ادب پیدا ہوگا۔ مسیم ایزکل ان جلسوں کی جان تھے۔ جدیدیت کی صدارت ملک راج آنند نے کی تھی۔ جدید اور قدیم کا فرق تو آنند اور ایزکل کی شخصیتوں سے ہی ظاہر تھا۔ گجراتی ادیبوں اور خاص طور پر چندر کانت بخشی نے اپنی بے باک تقریروں کے ذریعہ محفل کو گرمایا، پرانوں کو چراغ پا کیا اور نوجوانوں کو آٹوگراف لینے کے لیے تیار کیا۔ ایک عام ردعمل یہ تھا کہ خلائی دور میں عریانی اور فحاشی کا ذکر اس قدر قصباتی ذہنیت کا مظاہرہ کرتا ہے جو کم از کم ان لوگوں کے شایان شان تو نہیں جو انگریزی میں مقالے پڑھتے ہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ جنس زدگی اور عریانی کے ذکر سے ہی اب نوجوان طبقہ اوب گیا ہے۔ نوجوانوں کا نقطۂ نظر کچھ اس قسم کا ہے کہ بھئی جنس پر لکھو اور قصہ ختم کرو۔ لیکن جنس پر بات مت کرو۔ پلیز۔

مندوبین کو گجراتی لوک ناچ اور گجراتی آرٹ دکھایا گیا جو انھیں بہت پسند آیا۔ انھیں مین ہٹمنٹ کا ایک پورا گجراتی ڈراما بھی دکھایا گیا جسے دیکھ کر لوگوں نے محسوس کیا کہ ابلاغ و رسائی کا اس سے زیادہ مہذب طریقہ سوچا نہیں جاسکتا۔ ابلاغ کی اہمیت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب زبان سے ناواقف لوگوں کے سامنے تین گھنٹہ کا ڈراما پیش کیا جائے۔ پی۔ ای۔ این کی کانفرنسیں دن بدن اپنی اہمیت کھوتی جارہی ہیں اور عام طور پر یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ یہ ادارہ صوفیہ واڈیا کی تمام کوششوں کے باوجود اوسط درجہ کے مصنفوں، فری لانس جرنلسٹوں اور ادبی سنابوں کا آخری حصار بنا ہوا ہے۔ کانفرنس کامیاب ہوئی یا ناکام ہوئی اس سوال سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ کیا تخلیقی فنکاروں کی کوئی بھی کانفرنس کبھی بھی کامیاب ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر جانسن نے جو بات عورت کے وعظ کرنے کے متعلق کہی تھی وہی بات ہم اس قسم کی کانفرنسوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ عورت کا وعظ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کتے کا اپنی پچھلی ٹانگوں پر چلنا۔ یہ کام خوش اسلوبی سے نہیں ہوتا لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ یہ کام بہر صورت ہوتا ہے۔

غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر

انجمن کی مطبوعات پر خصوصی رعایت

انجمن نے اپنی مطبوعات پر ۲۵ اور ۴۰ فی صدی کی خصوصی رعایت اس موقع کے لیے منظور کی ہے یہ رعایت یکم فروری سے ۲۸ر فروری تک رہے گی۔

تفصیلات کے لیے

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ

سے

خط و کتابت کیجیے

پوسٹر فن خطاطی

(سید رضا حسین جونپوری)

انجمن ترقی اردو ہند نے اردو فن خطاطی پر ایک دیدہ زیب پوسٹر شائع کیا ہے جس میں اس فن کے نادر نمونے مع ضروری قواعد دیئے گئے ہیں اردو خوشخطی اور کتابت کے لیے یہ پوسٹر بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے کاغذ و طباعت عمدہ۔

قیمت صرف پچیس پیسے

انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

ڈاکٹر گیان چند جین

معراج العاشقین کا مصنف

کتاب پر ناشر کا نام درج ہے نہ قیمت۔ ظاہرا مصنف ہی ناشر ہوگا۔ بیسویں صدی میں متعدد بیش بہا مخطوطات دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے قطع نظر ادبی واقعات کی چھان بین میں سب سے اہم کارنامہ حافظ محمود شیرانی کی یہ کھوج تھی کہ قصۂ چہار درویش امیر خسرو کی تصنیف نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر حفیظ قتیل کی یہ دریافت کہ معراج العاشقین خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف نہیں اسی قسم کی تاریخ ساز تحقیق ہے۔ میں دکنیات کا ماہر نہیں اس کے باوجود یہ تحقیقی مقالہ پڑھنے کے بعد میں مصنف کے فیصلے سے اتفاق کرنے پر مجبور ہوں۔ ڈاکٹر قتیل نے ڈاکٹر حسینی شاہد کے مقالے دکنی ادب کی ترقی میں شاہ امین الدین علی اعلیٰ اور ان کے خلفا کا حصہ سے استفادہ کر کے بیجاپوری مسلک تصوف کے امتیازی معتقدات درج کئے ہیں۔ یہ مسلک شاہ میراں جی شمس العشاق کے فرزند شاہ برہان الدین جانم اور ان سے زیادہ شاہ جانم کے فرزند شاہ امین الدین اعلیٰ کا قائم کردہ ہے۔ عام عقیدے کے مطابق چار عناصر ہیں لیکن شاہ امین نے ہندو فلسفے سے لے کر پانچویں عنصر خلا (آکاش) کا اضافہ کیا اور ہندو عقیدے کے مطابق ہر عنصر کے پانچ اوصاف درج کئے۔ اس طرح ان کا مسلک پانچ عناصر پچیس گن کا تصوف کہلانے لگا جس کتاب میں تصوف کے اس عقیدے کی تبلیغ ہو وہ شاہ امین کی خوشہ چیں ہے۔

ڈاکٹر قتیل نے مخدوم شاہ حسینی بلکا نوری کے تین رسالے دریافت کئے۔ یہ بزرگ شاہ میراں جی خدا نما کے خلیفہ شاہ پیر اللہ کے مرید تھے۔ سید مخدوم کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری کا اواخر اور بارہویں صدی کا اوائل ہے۔ انہیں کے ایک رسالے سے کسی کم سواد شخص نے تلخیص کر کے معراج العاشقین مرتب کی لیکن تلخیص میں جا بجا جملوں کو بے ربط اور مہمل کر دیا۔ چونکہ خواجہ بندہ نواز کا لقب بھی مخدوم ہے اور وہ بھی حسینی ہیں اس لئے کاتبوں نے مخدوم شاہ حسینی کو سید حسینی بندہ نواز سمجھ لیا۔ ڈاکٹر قتیل نے اپنی تائید میں لسانی خصوصیات سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ معراج العاشقین بہت بعد کی تصنیف ہے۔

ڈاکٹر قتیل نے انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے مخطوطہ معراج العاشقین کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر نذیر احمد نے خبر دی تھی کہ اس کے مقابلے میں مطبوعہ نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ غالباً ڈاکٹر قتیل نے اس نسخے کو خود نہیں دیکھا ورنہ اپنی تائید میں ایک اور دلیل سے واقف ہوتے۔ علی گڈھ تاریخ ادب جلد اول ص ۱۹۱ پر پروفیسر عبد القادر سروری نے اس مخطوطے کے خاتمے کی جو عبارت نقل کی ہے اس کا پہلا جملہ یہ ہے "اے مخدوم توں پیر اللہ حسینی کے کرم سے اس راز کی خبر پایا۔"

ڈاکٹر حفیظ کی کتاب سے یہ بات واضح ہوئی کہ دکنی رسالوں کے مختلف مخطوطوں میں ان کے نام میں تحریف و ترمیم بہت عام ہے۔ قدیم ادب کے ہر طالب علم کو ڈاکٹر حفیظ قتیل کے اس تحقیقی مقالے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

مصنف: ڈاکٹر حفیظ قتیل شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد

سال اشاعت ۱۹۶۸ء

ضخامت ۱۰۷ صفحات

ماہر القادری

تاثرات

یہ بھی جو زلف شکن در شکن میں ہے　　اب ان کا التفات نئے پیرہن میں ہے
کیا اب بھی جو بتے ہیں وہ کبے کے سبزہ زار　　کیا اب بھی تنگی وہی کنج چمن میں ہے

اب اس طرح ستم روزگار ہوتا ہے　　قفس کے سامنے ذکر بہار ہوتا ہے
وفا کا ذکر ہی کیوں چھیڑتے ہیں اہل وفا　　جب ان کی خاطر نازک پہ بار ہوتا ہے

سحر اگرچہ ہے دھندلی مگر ہوئی تو سہی　　دعائے نیم شبی کارگر ہوئی تو سہی

باتوں سے کبھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر　　جگنو کی چمک سے کہیں جاتے ہیں اندھیرے

عشق ایسے بھی مراحل سے گزرتا ہے جہاں　　حسن کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے

یہ سوچا کریں بیٹھ کے جو دن گزارے ہیں　　کہ زندگی میں یہ مدت شمار کیا ہوگی

اپنی حالت پہ بھی خود اشک بہا کر نہیں دیکھا　　آنکھ میں ان کے تصور کی بھی رخصت لی ہو

بجلیوں کا تو رخ تھا چمن کی طرف　　راستے میں مرا آشیانہ پڑا

سرود گل و لالہ کا تو کیا ذکر ہے ماہر
ہر خار کو یاں ناز گلستاں نسبی ہے

مراسلات

اردو انسائیکلوپیڈیا

شاعر نے نہ جانے کس صورت حال سے متاثر ہو کر کہا تھا "نشستند و گفتند و برخاستند"

یہ مصرع اردو والوں کی قسمت بن گیا ہے۔ اگر ہندوستان میں ایک سال میں ہونے والے اردو مشاعروں، کانفرنسوں اور جلسوں کا حساب لگایا جائے تو ان کی تعداد اس زبان کے علاوہ تمام ہندوستانی زبانوں کی تقریبات کے برابر ہوگی یا ان سے بھی زیادہ۔ یہ بات خوش کن تو ضرور ہے لیکن نتیجہ کی حیثیت سے صفر درجہ رکھتی ہے۔

ہم اردو والے ابتک خیالی دنیا سے گزر رہے ہیں حقیقت کی کرنیں ہمیں چھو کر بھی نہیں گئی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اب تک اردو ڈکشنری اور انسائیکلوپیڈیا کے کام سے فراغت پا گئے ہوتے۔ ہم اردو کے رسالوں، اخباروں اور تصانیف کے اعداد و شمار کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں جن میں سے زیادہ تر تصانیف شعری مجموعوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اردو ہمہ گیر زبان ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ لیکن کسی زبان کی ترقی کا اندازہ اس کے مستند لغت اور انسائیکلوپیڈیا ہی سے لگایا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں کچھ ایسے ایڈیشن بھی نکلے ہیں جن میں ہر وہ لفظ مل جاتا ہے جو کہ ابھی ابھی زبان میں داخل ہوا ہے۔

آزادی کے بعد کچھ حکومت کی امداد سے اور کچھ امداد کے بغیر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی زبانوں کی کئی مستند لغت اور انسائیکلوپیڈیا تیار ہو گئے ہیں۔ مثلاً تامل انسائیکلوپیڈیا کی ۱۰ جلدیں اور کنڑ کی ۱۰ جلدیں چھپ کر شائع ہو گئی ہیں۔ اگر کوئی ایسی زبان ہندوستان میں ہے جس کے بولنے والے ٹھوس حقائق سے آج تک واقف نہیں ہوئے ہیں تو وہ اردو زبان ہے جس کی ہمہ گیری کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن عملی حیثیت سے آج تک جس کے لئے کچھ بھی نہیں کیا گیا۔

مستند لغت اور انسائیکلوپیڈیا ہی کسی زبان کی بڑائی کے ضامن ہوتے ہیں۔ آج تک اس سلسلے میں ہم نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہماری زبان روز بروز محدود ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارا سارا سرمایہ مولوی عبدالحق کی ENGLISH URDU DICTIONARY ہے جو آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل ترتیب دی گئی۔ آج زبان کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے، اس درمیان میں ہزاروں الفاظ زبان میں داخل ہو گئے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کو سمیٹا نہیں گیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اردو والے اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور لغت اور انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب سے متعلق سوچیں۔

جشن غالب ہمارے لئے بہترین موقع ہے جس کے سلسلے میں لاکھوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اس میں سے کچھ رقم انسائیکلوپیڈیا اور ڈکشنری کے لئے بھی مل جائے، اور دونوں کو غالب کے نام سے منسوب کر دیا جائے یہ کام ہماری نظر میں غالب کے شایان شان ہوگا اور جس کے لئے آنے والی نسلیں ہماری ممنون احسان رہیں گی۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی مختلف ادیبوں اور دانشوروں سے گفتگو ہوئی ہے راقم الحروف اس مد میں ہر ممکن خدمت کے لئے تیار ہے۔ (حسرت سہروردی)

چہ دلاور است دزدے...

انگریزی میں غالب پر ادھر دو کتابیں نظر سے گزریں جن میں سے ایک جناب پی۔ ایل۔ لکھن پال کی لکھی ہوئی ۲۲۴ صفحے کی "GHALIB, THE MAN AND HIS VEISE" ہے جو راج آرٹ پریس ڈپٹی گنج دہلی ۶ میں طبع ہو کر انٹرنیشنل بکس نواب گنج دہلی ۶ سے ۸ دسمبر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جناب آر کے کلدیپ کی ۱۱۲ صفحے کی "MIRA GHALIB" ہے جو بودھی پریس ۵ شنکر گھوش لین کلکتہ ۶ میں طبع ہو کر انٹر ٹریڈ پبلیکیشنز ۵۵ گریاہاٹ کلکتہ ۱۹ سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اس طرح دونوں کتابوں کی تاریخ اشاعت میں فرق سات سال کا وقفہ ہے۔

بظاہر غالب پر یہ دو مختلف اور مستقل کتابیں ہیں مگر مطالعے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کلدیپ صاحب کی پوری کتاب دس صفحوں کے علاوہ لفظ بلفظ جناب لکھن پال کی کتاب کی نقل ہے۔ کلدیپ صاحب نے لکھن پال صاحب کی غالب کی غزلوں کے انگریزی ترجمے کو مع عنوانات کے ان کی تعداد اور ترتیب میں بغیر کسی تبدیلی کے اپنے نام سے پیش کر دیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ کلدیپ صاحب کا غالب کا تعارف (ص ۱ تا ۲۲) جو غزلوں کے ترجمے سے پیشتر ملتا ہے وہ بھی لکھن پال صاحب کی کتاب کے ص ۱۷۱ سے ص ۱۸۲ تک کی ہو بہو نقل ہے۔ (کلدیپ صاحب کی صرف ص ۱ تا ۱۰ اس سے مستثنیٰ ہیں) کلدیپ صاحب کی پوری کتاب سے اشارۃً کنایۃً کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا پیش کردہ مواد کسی دوسری کتاب سے ماخوذ ہے۔ غالب نوازی کی ایسی مثالیں اگرچہ کم ملیں گی تاہم غالب صدی کے سلسلے میں غالب سے متعلق اس قسم کے سرقے بھی اگر بے نقاب کر دئے جائیں تو ادب کی ایک مفید خدمت ہوگی۔ (انجمن آرا انجم۔ علی گڑھ)

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

علی گڑھ کے شعری مزاج کے آئینہ دار انجمن اردوئے معلی کے مشاعرے ہیں۔ سچی شاعری اور اس کے سامعین دونوں یہاں ملتے ہیں۔ ہمارے یہاں نشست کا تصور دس بیس افراد کا سر جوڑ کر بیٹھنا اور مشاعرے کا تصور ہزاروں کا مجمع لگنا ہے۔ ان دونوں خانوں میں اردوئے معلی کی نشست یا مشاعرے کو نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سچ ہے کہ آرٹس فیکلٹی میں نہ تو کوئی ایسا ہال ہے جہاں دو چار ہزار افراد کا اجتماع ہو سکے اور نہ ہی انجمن اردوئے معلی کے دعوت نامے اتنے وسیع پیمانے پر تقسیم ہوتے ہیں۔ پھر بھی یونیورسٹی کے تمام شعبوں کے اساتذہ اور طلبہ کا ادب نواز طبقہ ان میں شریک ہوتا ہے۔ ان مشاعروں میں ۲۶ر جنوری کے مشاعرے کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔

۲۶ر جنوری ۱۹۶۹ء کی شام ۷ بجے میں آرٹس فیکلٹی کا کمرہ [illegible] جس میں تقریباً چار پانچ سو افراد کے بیٹھنے کا انتظام ہے بالکل بھر چکا ہے۔ مخلوط مجمع ہے اس طرح کی مخلوط نشست کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اساتذہ طلبہ اور طالبات کے قریب ہونے سے ایک شائستہ اور مہذب ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور، صدر انجمن اردوئے معلی نے کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اس انجمن کے اہتمام میں جو نشستیں ہوتی ہیں ان کا خوشگوار معیار قائم ہو گیا ہے۔ یونیورسٹی کے تمام مستند اور نئے لکھنے والوں اور ان کے ساتھ ساتھ با ذوق سننے والوں کے اشتراک سے ہماری نشستیں بلند معیار اور خوش مذاقی کا نمونہ ہوتی ہیں امید ہے کہ یہ روایت برابر مستحکم ہوتی جائے گی۔

چند دنوں بعد ہم غالب برسی منانے جا رہے ہیں۔ اس لئے اس مشاعرے کے لئے غالب کے دو مصرعے بطور طرح شعراء کو بھیجے گئے تھے۔

پہلا مصرعہ ہے

میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں

دوسرا مصرعہ ہے

کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

شعراء حضرات سے گزارش کر دی گئی تھی کہ اگر ممکن ہو تو طرح پر کہیں ورنہ طرح یا بے طرح، نظم اور غزل کی کوئی قید نہیں ہے ہاں تازہ کلام کی توقع ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے ہمایوں ظفر زیدی متعلم ایم۔اے فائنل انگریزی کو پڑھنے کی دعوت دی۔ زیدی نے نئے مزاج کے اشعار سنائے اور اساتذہ اور طلبہ سے سنجیدہ داد پائی۔

اعجاز اختر نے اپنی غیر طرحی غزل شروع کی یہ بی ایس سی میں پڑھتے ہیں۔ نوعمر ہیں۔ قد کی لمبائی کے باوجود چھوٹے سے لگتے ہیں۔ ان کے اس شعر کو پسند کیا گیا

تیز رفتار ہوا آدمی کی صورت کیوں ہے   یہ اگر چاہے تو خاموش گزر سکتی ہے

اب حمیدی حمید زیدی جو ایم۔ایس۔سی کے اسٹوڈنٹ ہیں اپنی نظم "قتل نوا" سنا رہے ہیں۔ اعتماد اور سادگی کے ساتھ تحت میں پڑھ رہے ہیں۔ شور تحسین میں نظم یوں تمام ہوئی۔

آج تک کوئی ہوش نوا کر نہ سکا

رگوں میں صحت مند خون ہو تو چہرے کھل اٹھتے ہیں
چہروں کی کملاہٹ خون کی خرابی کا پتہ دیتی ہے
خون کی خرابی نظامِ جسم کے خلل کا اشارہ ہے
صاف اور نکھری جلد اور صحت مند خون کے لیے



صافی
استعمال کیجیے
صافی
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
ہمدرد

کیونکہ تاریخ یہی کہتی ہے
کہنے والا نہ رہے بات مگر رہتی ہے"

اب اعظم سحاب متعلم ایل۔ایل بی طرحی غزل کے ہر شعر پر خوب داد پا رہے ہیں۔ یہ شعر خاص طور پر پسند کیا گیا ؎

وہ اور ہیں میں اور، مگر راہ شعر میں
غالب کی مشت خاک ہوں بازآفریدہ ہوں

اب باقر زیدی ریسرچ اسکالر (اردو) طرحی غزل پڑھ رہے ہیں۔ یہ شعر بار بار پڑھوایا جا رہا ہے

؎ ہم نے برسات میں مٹی کا بنایا ہے مکان
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

اس کے بعد بشیر بدر متعلم ایم۔اے فائنل کا نام پکارا گیا۔ C. WILLIAM TROLL جو جرمن طالب علم ہیں اور لندن سے آئے ہیں ٹیپ ریکارڈر لیے کھڑے ہیں اور سرور صاحب سے ریکارڈ کرنے کی انگریزی میں اجازت چاہی۔ سرور صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"I HAVE NO OBJECTION IF IT DOES NOT DISTURB ME AND THE POETS."

بشیر بدر نے طرحی غزل کا مطلع ترنم سے پڑھا۔ ان کے دو شعر خاص طور پر پسند کیے گئے ؎

احساس کو یہ ناز کہ وہ لفظ سے بلند — نغمے کو یہ غرور کہ میں ناشنیدہ ہوں
دروازہ زندگی کا نہیں میرے واسطے — خوش قامتی کے جرم میں کب سے خمیدہ ہوں

داد کے شور میں سرور صاحب نے دوسری غزل کی فرمائش کی اور اب بشیر بدر دوسری غیر طرحی غزل پڑھ رہے ہیں۔

شمسی طہرانی کا نام کیا پکارا گیا گویا شگفتگی کا دبستان کھل گیا۔ شمسی صاحب بڑے جوش و ولولے کے ساتھ اپنے عاشقانہ، تصوفانہ اور رندانہ طرحی اشعار پڑھ رہے ہیں اور ان سے زیادہ عاشقانہ تصوفانہ اور رندانہ انداز میں طلبہ انھیں داد دے رہے ہیں۔

صبا جائسی بھی فارسی کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ بڑے سکون اور اعتماد سے پڑھ رہے ہیں۔ یہ شعر خاص طور پر پسند کیے گئے ؎

اے وادیٔ سراب یوں ہی رہنما جلوہ گر
ممکن ہے آگے پھر میں یہیں آرمیدہ ہوں
حرف اور لفظ دست و گریباں ہیں مجھ سے یوں
گویا نئے ادب کا میں کوئی جریدہ ہوں

ابھی بشیر بدر نے جریدہ کے قافیہ پر یوں شعر پڑھا تھا ؎

یہ زندگی اکائی ہے تقسیم کیوں کرو — میں بھی نئی کتاب پرانا جریدہ ہوں

اب غلام ملک شوریدہ صاحب اسی طرح میں غزل پڑھ رہے ہیں۔ غزل اچھی ہے۔ کشمیری لہجہ ان کی اردو میں بھی نمایاں ہے جو اچھا لگ رہا ہے ؎

اب آفتاب شمسی ریسرچ اسکالر (اردو) نے اپنی طرحی غزل کا مطلع یوں پڑھا ؎

ہم نے دیکھا کہ کسی غم کا مداوا نہ ہوا — روح کے ساتھ اگر جسم بھی پیاسا نہ ہوا

مقطع یہ تھا ؎

میں بھی کب کہہ سکا کوئی غزل اے شمسی — پردۂ ذہن پہ جب تک کوئی چہرا نہ ہوا

مناسب داد مل رہی ہے اس کے بعد غیر طرحی غزل پڑھ رہے ہیں جو بہت پسند کی جا رہی ہے۔

اب ذکاء الدین شایاں ریسرچ اسکالر اردو آ رہے ہیں۔ شایاں صاحب کے عناصر ترکیبی میں علی گڑھ پاجامہ، کالی شیروانی کالا چشمہ اور نئی غزل کے اجزا ہیں۔ یہ شعر دوبارہ پڑھوایا گیا۔

تو وہ خنک ہوا جو ابھی کے گلے لگے — میں وہ شعاع مہر جو از خود کشیدہ ہوں

یہ شعر بھی بہت مقبول ہوا ؎

توڑے ہیں آئینوں نے بھی چہروں کے عکس و رنگ
یہ سوچ کر کے آج میں کچھ آبدیدہ ہوں

اب ایک غیر طرحی غزل سنا رہے ہیں جو ابھی حال ہی میں "کتاب" میں شائع ہوئی ہے۔

محمد شہریار صاحب انگریزی میں لکچرار ہیں اپنی نظم "ایک ناممکن کہانی" سنا رہے ہیں۔ یہ نظم انسانی کرب کی علامتی تاریخ ہے کیا ہی تیز فہم سامع ہو۔ مصرعوں کی پرمعنی علامتوں پر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اب نقش سنبھلی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ یہ بھی شعبۂ انگریزی

"سرشار ایک مطالعہ" کے بعد پریم پال اشک کا

ایک اور کارنامہ

روزمرہ و محاورۂ غالب

اردو کے جواں سال محقق اور نقاد جناب پریم پال اشک نے غالب کی اردو تحریروں میں ایک ہزار سے زائد روزمرہ اور محاورے تلاش کر کے انھیں ایک انوکھے اور منفرد ڈھنگ سے لغت کی صورت میں بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ ترتیب دیا ہے علاوہ ازیں ہر محل استعمال مستند اسناد کے ساتھ دیے گئے معانی اور ایک سیر حاصل مقدمے نے اس کام کی اہمیت کو سہ چند کر دیا ہے۔ یہ کتاب طلبہ شعرا اور اساتذہ سب کے لئے مفید مطلب ہوگی اور غالبیات کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی بھی۔ دس فروری تک منظر عام پر آ رہی ہے۔ کتابت حسین طباعت دیدہ زیب کاغذ عمدہ اور جلد پختہ سائز ۲۲×۲۰ ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت صرف ۶ روپے پیشگی آرڈر آنے پر محصول ڈاک ناشر کے ذمے۔

ناشر

مکتبہ قصر اردو۔ اردو بازار دہلی ۶

میں لکچرار ہیں۔ زبان کی صفائی اور برجستگی کا نمونہ اپنی طرحی غزل میں پیش کر رہے ہیں۔ ہر شعر مضبوط ہے۔ کہیں سے ہلائیے جنبش نہیں ہوتی۔

شہریار کا نام پکارا گیا۔ شہریار کی اپنی آواز، اپنا لہجہ ہے

آندھیاں آئی تھیں لیکن کبھی ایسا نہ ہوا
خوف کے مارے جدا شاخ سے پتا نہ ہوا
خوب دنیا ہے کہ سورج سے رقابت تھی جنھیں
ان کو حاصل کسی دیوار کا سایہ نہ ہوا

ایک صاحب نے مجھ سے چونک کر کہا۔ ارے۔ یہ تو طرحی غزل تھی۔ دراصل شہریار کے لہجے نے اسے اتنا اپنا لیا تھا کہ ان کا دھوکا بھی فطری تھا۔ ہر طبقہ سے داد مل رہی ہے۔

پروفیسر سرور صاحب اس شعر کو دوبارہ پڑھوا رہے ہیں ؎

وقت کی ڈور کو تھامے رہے مضبوطی سے
اور جب چھوٹی تو افسوس بھی اس کا نہ ہوا

اس کے بعد دوسری غزل کی فرمائش کی گئی اور ہر شعر کو بہت پسند کیا گیا۔

شفیق انجم صاحب شعبۂ سیاسیات میں لکچرار ہیں۔ غیر طرحی غزل پڑھ رہے ہیں لیکن زمین غالب ہی کی ہے۔ غزل شگفتہ ہے اور پڑھنے کا انداز موثر ہے۔ شہناز ہاشمی صاحبہ (بیگم شفیق انجم) کے علاوہ ہر شخص باآواز بلند داد دے رہا ہے۔ زاہدہ زیدی صاحبہ شعبۂ انگریزی میں ریڈر ہیں۔ اپنی خوبصورت نظم میں لفظوں کے اس المیہ کو پیش کر رہی ہیں کہ لفظ احساسات کی طلسماتی کائنات میں خود بھی مسافر حیران ہو جاتا ہے۔

اب وارث کرمانی صاحب طرحی غزل سنا رہے ہیں۔

دشت امکاں میں اک آواز کا سناٹا ہے
لب کشا کوئی اس عالم میں دوبارہ نہ ہوا
اپنی تصویر وہاں بھی نظر آئی مجھ کو
یہ بھی اچھا ہوا ابھرا ہی جو دریا نہ ہوا

وہ شعبۂ فارسی میں استاد ہیں۔ اس رعایت سے کیا خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

محبت حضرت غالب کہتا رہے وارث
ہم کو اردو میں کبھی شعر کا دعویٰ نہ ہوا

ساجدہ زیدی صاحبہ شعبۂ تعلیمات میں ریڈر ہیں۔ طرح میں صرف تین شعر سنائے۔ لیکن اس کمی کو یوں پورا کیا کہ مصرعہ طرح کو عنوان مقرر کر کے نظم سنائی۔

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل شعبۂ لسانیات کے لکچرر اس طرح غزل پڑھ رہے ہیں گویا اپنی کلاس کو کوئی نکتہ سنجیدہ سمجھا رہے ہیں۔

عشرت انور صاحب کا نام آتے ہی محفل جاگ اٹھی۔ عشرت صاحب شعبۂ فلسفہ میں استاد ہیں۔ لیکن ان کے شعر بلکہ ان کی شاعرانہ شخصیت پر جذبے کی گرفت ہے۔ ان کے پڑھنے کا مخصوص انداز ہے جسے نہ خالص ترنم کہا جا سکتا ہے نہ خالص تحت۔ عشرت انور صاحب کے پڑھنے کے سلسلے میں مختلف باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ذاتی طور پر مجھے اس میں انفرادیت محسوس ہوتی ہے اور مشاعرے میں ان کا منتظر رہتا ہوں۔ مجھے یہ دو شعر بہت پسند آئے ؎

میں وہ اک ابر کا ٹکڑا ہوں کہ سب کے غم میں
میرا سایہ بھی مرے واسطے سایہ نہ ہوا
دوپہر زندگی دھوپوں میں جو تپتی ہی رہی
ایک کانٹا ہے کہ جس کا کوئی سایہ نہ ہوا

خواجہ مسعود علی ذوقی غیر طرحی غزل پڑھ رہے ہیں۔ ذوقی صاحب میں بلا کی تازگی ہے۔ وہ ۴۶ء میں بھی نئے شاعر تھے اور آج بھی ان کے یہاں روایت کے احترام کے ساتھ جدت ہے۔ یہ اشعار بہت پسند کئے جا رہے ہیں ؎

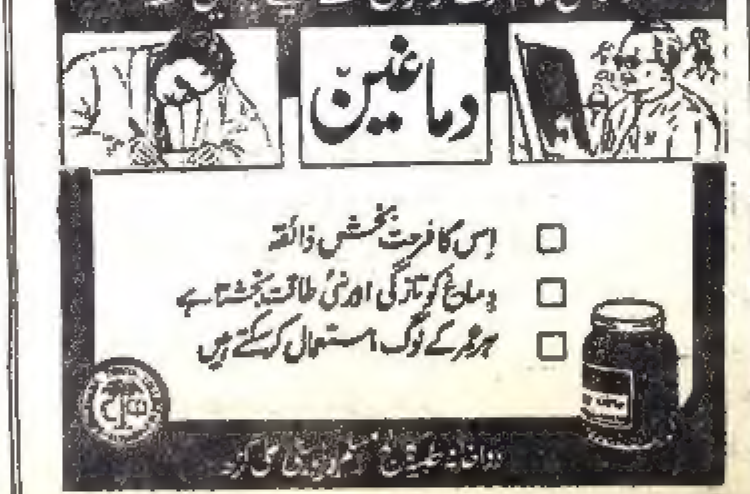
یہ دل جو آج بظاہر ہے ایک سادہ ورق
اسی ورق پہ بہاروں نے خط لکھے ہم کو
چمن کی خاک سے کل لالہ بن کے پھوٹیں گے
بہار آج نظر بھر کے دیکھ لے ہم کو

دوسری غزل کا یہ شعر بہت پسند کیا گیا ؎

ترے گلشن سے کچھ شاداب یادیں ساتھ لایا تھا
انھیں یادوں کی خوشبو آج تک زخموں کا مرہم ہے

وحید اختر صاحب شعبۂ فلسفہ کے استاد ہیں۔ جدید شاعری میں ان کا اپنا مقام ہے۔ بڑے احترام سے ان کے اشعار سنے جا رہے ہیں۔ طرح پر سب سے زیادہ شعر انھوں نے پڑھے۔ لیکن یہ خوبی ہے کہ کسی زیادتی کا کچھ احساس نہیں ہو رہا ہے۔ ہر شعر پسند کیا گیا۔ چند شعر درج ہیں ؎

دل وہ شعلہ ہے کہ بجھ کے بھی ٹھنڈا نہ ہوا
منجمد آگ کا بنتا ہوا دریا نہ ہوا
حسرت و خواب و تمنا کا وہ ہنگامہ رہا
مدتیں گذریں کہ خود اپنے سے ملنا نہ ہوا



عمر بھر کے لئے بن باس ملا ہے ہم کو
سو اک پل کو بھی احساس کا صحرا نہ ہوا
یہ بھی کیا کم ہے کہ تنہائی کا غم ساتھ رہا
میں کبھی خلوتِ دل میں اکیلا نہ ہوا

وحید صاحب سے غیر طرحی غزل کی فرمائش کی گئی۔
اب وہ غیر طرحی غزل پڑھ رہے ہیں۔
حسن نعیم اردو کے بہت اچھے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں ہماری خوش قسمتی سے وہ بھی شریک بزم ہیں ان کے اکثر اشعار فکر و فن کا خوب صورت نمونہ ہیں۔ یہ دو شعر دو غزلوں کے بہت مقبول ہو رہے ہیں۔

ہر لمحہ اضطراب ہے۔ ہر لمحہ انتظار
دل کا وہی ہے حال جو دنیا کا حال ہے
ہم نے کبھی نہیں جب رو رفتار بے غیرت
اک بار بھی نہ دے کا ہیں اس شام ملا

اب ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کے نام کا اعلان ہوا یونیورسٹی میں خلیل صاحب کے نام کے ساتھ احترام کا تصور وابستہ ہے جدید شاعری کے بیشتر متوازن شعرا خلیل صاحب سے متاثر ہیں۔ ہر شعر خوب پسند کیا جا رہا ہے۔ صرف طرح کے اشعار یہاں درج ہیں ؎

خود بخود دور کبھی دل کا اندھیرا نہ ہوا
جب تک اس خاک سے پیدا کوئی شعلہ نہ ہوا
کیا کہیں ہم کو ازل ہی سے ملی تھی ہم کو
ایسی تنہائی کہ تم سے بھی مداوا نہ ہوا
لوگ ہم جیسے تھے اور ہم سے خدا بن کے ملے
ہم وہ کافر ہیں کہ ہم سے کبھی سجدہ نہ ہوا
بس مرے پاؤں سے لپٹی رہی آلام کی گرد
دل کا آئینہ کچھ ایسا تھا کہ دھندلا نہ ہوا
ابھی سوچا ہی تھا میں نے کہ انا الحق کہہ دوں
کون تھا جو کہ مری جان کا پیاسا نہ ہوا

غیر طرحی غزل بھی بہت زیادہ پسند کی جا رہی ہے۔ جو ابھی "شبخون" اور "نیا دور" کراچی کے تازہ شماروں میں شائع ہوئی ہے۔
پروفیسر سرور صاحب نے اختر الایمان صاحب کے نام کا اعلان کیا لیکن وہ مہمان ہیں اس لئے جذبی صاحب ازراہ مہمان نوازی پہلے پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے غیر طرحی غزل شروع کی۔

فضائے شب میں ستارے شرار گزرے ہیں
یہ آسماں سے دلوں کے غبار گزرے ہیں
جھک اٹھے ہیں در و بام دکوچہ و بازار
جہاں جہاں سے ترے بادہ خوار گزرے ہیں

ساجدہ زیدی کے پاس بیٹھی ایک محترمہ فرما رہی ہیں کہ "جذبی صاحب جادو کرتے ہیں"۔ یہ سچ ہے۔ یہ اشعار بار بار پڑھوائے جا رہے ہیں ؎

مزاج پوچھتے پھرتے ہیں ذرے ذرے کا
دلوں کی راہ سے کچھ خاکسار گزرے ہیں
کلی نے بڑھ کے پکارا گلوں نے پیار کیا
کسی چمن سے جو سینہ فگار گزرے ہیں
ہماری راہ میں جذبی پہاڑ آئے پہ ہم
شال ابر سر کوہسار گزرے ہیں

پروفیسر آل احمد سرور نے دوسری غزل کی فرمائش کی اور اب وہ دوسری غزل پڑھ رہے ہیں۔
اختر الایمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا جو ان دنوں فلمی دنیا سے منسلک ہیں یہ یہاں کے پرانے طالب علم ہیں شعری ادب میں ترقی پسندی اور جدیدیت کے درمیان کی اہم کڑی ہیں۔ اب جدید نظموں کی اشارتی شاعری نے سامعین کی ایسی تربیت کر دی ہے کہ اختر الایمان کی اشارتی نظمیں واضح معلوم ہو رہی ہیں۔ سبھی پسند کر رہے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ عموماً نظم کے مصرعوں کے بجائے پوری نظم کے اختتام پہ داد تحسین کا شور اٹھتا ہے۔ یہ شاعر کی نظم کی کامیابی کے ساتھ سامعین کی راست فہمی کا بھی ثبوت ہے۔
اختر الایمان حسب فرمائش نظموں پر نظمیں پڑھ رہے ہیں۔ ان میں اور "سبزۂ بیگانہ" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں
اب پروفیسر آل احمد سرور صدر انجمن و صدر مشاعرہ نے طرحی غزل شروع کی۔
ان کی غزل میں فکر جذبہ کی طرح سیال ہوتی ہے۔ اشعار روح اور دل میں روشنی کرتے ہوئے اتر رہے ہیں۔ چند شعر درج ہیں ؎

دل میں اک آنچ تو باقی ہے ابھی ان کے طفیل
گرچہ خوابوں سے کبھی گھر میں اجالا نہ ہوا
تیری خاطر میں سرابوں کو بھی دریا کہتا
پہ مرے دیدۂ بینا کو گوارا نہ ہوا
شہر میں سب پہ سیاست کا جنوں طاری تھا
کوئی شائستۂ آداب تمنا نہ ہوا
زندگی اور محاذوں میں لکیروں میں اسیر
یہ تو اربابِ محبت کا طریقہ نہ ہوا

دوسری غزل کی فرمائش کی گئی۔ یہ اشعار خاص طور پر پسند کئے گئے ؎

زمیں سے زخم تو داغ آسماں سے ملے
بصیرتوں کے خزانے کہاں کہاں سے ملے
دیا ہے پیار کبھی اجنبی نگاہوں نے
ہزاروں سنگ کبھی دست مہرباں سے ملے
ہمیں چمن میں شرارے دکھائی دیتے ہیں
یہ رنگ و بو کے خزانے تمہیں کہاں سے ملے

صدر انجمن اور صدر مشاعرہ کی حیثیت سے پروفیسر سرور صاحب نے شعراء اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسرت کا اظہار کیا کہ علی گڑھ میں شعر و ادب کا معیار بلند ہے۔ یہاں کے جانے پہچانے فنکار اردو کے اہم ادیب و شاعر ہیں۔ لیکن ہمارے یہ نوخیز طالب علم اپنے اندر نئی توانائی اور احساس فکر و فن رکھتے ہیں مجھے ان کی باتوں پر یہ شعر یاد آ گیا۔

باتیں کہ جیسے پانی میں جلتے ہوئے دیے
کمرے میں نرم نرم اجالا سا بھر گیا
(بشیر بدر)

سرور صاحب کہہ رہے ہیں کہ اہم بات یہ ہے کہ اگر ہم علی گڑھ کے ذوق سماعت کو بھی دیکھنا چاہیں تو ایسے ہی ادبی اجتماع میں دیکھ سکتے ہیں یہاں آنے والے کو یقیناً یہ محسوس ہوگا کہ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(نامہ نگار)

آندھرا پردیش میں اردو کے مطالبات

آندھرا پردیش تلگو ریاست ہے اور یہاں کی سرکاری زبان تلگو ہے جس کو نظم و نسق عدلیہ اور تعلیم کی ہر سطح پر جلد از جلد رائج ہونا چاہیے یہاں کی تمام لسانی اقلیتوں کو جن میں اردو والے بھی شامل ہیں تلگو زبان میں جلد از جلد مہارت پیدا کرنی چاہیے تاکہ ریاست کی سماجی، تہذیبی، سیاسی اور کاروباری زندگی میں بھرپور حصہ لے سکیں اور نظم و نسق میں اپنے لئے شایان شان مقام پیدا کر سکیں۔

آندھرا پردیش تلگو بولنے والوں کے بعد دوسری اقلیتی زبانیں بولنے والوں کے مقابلے میں عددی اعتبار سے اردو بولنے والوں کو اہمیت حاصل ہے ان کی تعداد ۵۰ لاکھ سے زائد ہے اور وہ ریاست بھر میں بکھرے ہوئے ہیں اس لئے اردو کو ریاست کی دوسری علاقائی زبان تسلیم کیا جانا چاہیے دوسری علاقائی زبان کا مطلب یہ ہے کہ اردو بھی اس علاقے کی ایک زبان ہے جس کو تلگو کے بعد آندھرا پردیش کی ایک بھاری تعداد بولتی اور اپنے تہذیبی اغراض کے لئے استعمال کرتی ہے اس لئے جہاں کہیں اردو بولنے والوں کی تعداد آبادی کا دس فی صد ہو وہاں تلگو کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت نظم و نسق عدلیہ اور تعلیم میں استعمال کیا جائے دوسری علاقائی زبان سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آندھرا پردیش دو لسانی ریاست ہے اور یہاں کی سرکاری زبانیں دو ہیں۔ اردو بولنے والے چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم کا آغاز اردو میں ہو لیکن پانچویں درجے سے انھیں لازمی طور پر تلگو پڑھائی جائے آسمبلی میں جو لسانی فارمولا منظور ہوا ہے اس کی رو سے اردو بولنے والے اردو، ہندی اور انگریزی پڑھنے پر مجبور رہیں گے اور آندھرا پردیش کی سرکاری زبان سے محروم ہو جائیں گے جس کو کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر وہ تلگو پڑھیں گے تو اپنی مادری زبان سے محروم ہو جائیں گے جو کسی طرح مناسب نہیں یا پھر انھیں چار زبانوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا جو قرین انصاف نہیں اس لئے۔

۱۔ پہلی سے چوتھی جماعت تک ، صرف اردو
۲۔ پانچویں سے ساتویں جماعت تک ، اردو اور تلگو
۳۔ آٹھویں سے دسویں جماعت تک ، اردو، تلگو اور ہندی یا انگریزی۔

اگلے سال سے جونیر کالج قائم ہو رہے ہیں جن کا ذریعہ تعلیم تلگو ہوگا۔ یہ دراصل یونی ورسٹی میں تلگو ذریعہ تعلیم کے رواج کی طرف پہلا قدم ہے۔ اردو والے اس تبدیلی کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی حکومت سے مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اردو ذریعہ تعلیم کے جونیر کالج بھی قائم کئے جائیں تاکہ اردو کے وہ طلبہ جو اردو ذریعہ تعلیم سے ہائی اسکول کا امتحان کامیاب کریں اپنی مادری زبان میں تعلیم جاری رکھ سکیں۔ اگر اردو ذریعہ تعلیم کے جونیر کالج قائم نہیں کئے گئے تو اردو کے ہزاروں طلبہ پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ان جائز مطالبات کو تسلیم کرنے سے حکومت احتراز کر رہی ہے ہم نے قرار دادیں منظور کیں میمورنڈم پیش کئے، وزیر تعلیم اور چیف منسٹر کے ہاں نمائندگی کی لیکن ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لئے ہم اپنا مقدمہ عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ ہمارے تلگو بھائی بھی ہمارے ان جائز مطالبات کی پوری پوری تائید کریں گے اور دستخطی مہم کو کامیاب بنانے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

دستخطی محضر پر خود دستخط کیجئے اور اپنے احباب کے دستخط بھی کرائیے۔

(حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش)

اردو گھر فنڈ

۱۹ر جنوری تا ۳۱ر جنوری ۱۹۷۹ء

نمبر شمار	نام و مقام معطی	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل و وصول	کیفیت
۱	جناب خواجہ محمد صاحب سادر	۱—۰۰	منی آرڈر	
۲	〃 شمس الدین 〃 〃	۱—۰۰		
۳	〃 جمال الدین 〃 〃	۱—۰۰		
۴	〃 عبدالرشید 〃 〃	۲—۰۰		
۵	〃 قادر بخش 〃 〃	۱—۰۰		
۶	〃 شہاب الدین 〃 〃	۱—۰۰		
۷	〃 قمر الدین 〃 〃	۱—۰۰		
۸	〃 سرفراز خاں 〃 سیولڈ	۱—۰۰		
۹	معین الزماں عباسی، سادر	۲—۰۰		
۱۰	〃 شیخ سلیمان ابراہیم صاحب کیکڑی	۱۵—۰۰		
۱۱	〃 محمد سلمان خلجی صاحب کیکڑی	۵—۰۰		
۱۲	فرزند مقبول بانی صاحب 〃	۵—۰۰		
۱۳	جناب امر نارائن ماتھر صاحب 〃	۱—۰۰		
۱۴	〃 عبدالحنان 〃 〃	۱—۰۰		
۱۵	〃 عبدالحنان 〃 ٹیچر	۱—۰۰		
۱۶	〃 محمد یونس 〃 〃	۱—۰۰		
۱۷	〃 عبدالجبار 〃 〃	۱—۰۰		
۱۸	〃 عبدالرحیم 〃 〃	۱—۰۰		
۱۹	〃 اللہ دین صاحب 〃	۱—۰۰		
۲۰	〃 شیخ عید محمد 〃 〃	۱—۰۰		
۲۱	〃 محمد یاسین 〃 〃	۱—۰۰		
۲۲	〃 رفیق احمد 〃 سادر	۱—۰۰		
۲۳	〃 سید حسن 〃 کیکڑی	۱۰—۰۰		
۲۴	〃 علیم القدر صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰	نقد	
۲۵	〃 شفیق النبی صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۳—۰۰	〃	
۲۶	〃 محمد ہارون صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۳—۰۰	〃	
۲۷	〃 اعجاز احمد خاں صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰	〃	
۲۸	〃 عبدالحسن مرواڑی صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰	〃	
۲۹	〃 دید پرکاش متل 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰	〃	
۳۰	〃 نیاز احمد 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰	〃	
۳۱	〃 شمیم احمد 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۵—۰۰	〃	
۳۲	〃 اقبال احمد انصاری 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۴—۰۰	نقد	
۳۳	〃 علمدار حسین زیدی 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰		
۳۴	〃 قیصر علی نقوی 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰		
۳۵	〃 روشن علی خاں 〃 سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰		
۳۶	〃 سید محمد منظر صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۳—۰۰		
۳۷	〃 شمس الحق علوی صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰		
۳۸	〃 رامیشور دیال گپتا صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰		
۳۹	〃 سرور عالم راز صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۲—۰۰		
۴۰	〃 گلزاری لال صاحب سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ	۱—۰۰		
۴۱	〃 دیوان رام پرتاپ صاحب چوپڑہ	۱۰۰—۰۰	چک	
۴۲	محترمہ ممتاز جہاں حیدر صاحبہ	۱۵۰—۰۰	نقد	
۴۳	جناب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ صاحب	۱۰۰—۰۰	چک	
۴۴	〃 نسیم قریشی صاحب	۲۵—۰۰	نقد	
۴۵	〃 انصار اللہ نظر صاحب	۲۵—۰۰	نقد	
۴۶	〃 محمد حسن صاحب ڈی۔۶۔ ماڈل ٹاؤن دہلی ۹	۲۵—۰۰	نقد	

معرفت جناب سید حسن صاحب [illegible] (راجستھان) (نمبر ۱ تا ۲۳)

معرفت جناب سرور عالم راز صاحب [illegible] (نمبر ۲۴ تا ۴۰)

معرفت [illegible] (نمبر ۴۱ تا ۴۶)

میزان حال ۵۱۶—۰۰

〃 سابق ۹,۹۰۵—۲۵

〃 کل ۱۰,۴۲۲—۲۵

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا